حرفِ آغاز

مطلقہ کا نفقہ

سید جلال الدین عمری

اسلام کے قانونِ طلاق پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مرد طلاق کے دو بول بول کر عورت کو بیک بینی و دو گوش گھر سے نکال باہر کر دیتا ہے اور وہ سوسائٹی میں بے یار و مددگار در بدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ اعتراض بہت پرانا اور بڑا بے جان ہے۔ لیکن اسے بار بار اس طرح دہرایا جاتا ہے جیسے اسلامی شریعت کے لیے یہ ایک زبردست چیلنج ہے اور اس کا اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ اس اعتراض کا کھوکلا پن ہر پہلو سے واضح کیا جاتا رہا ہے لیکن جن لوگوں کا مقصد محض اعتراض ہو وہ اپنی کمزوری کبھی تسلیم نہیں کر سکتے اور انھیں کوئی جواب مطمئن نہیں کر سکتا۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اعتراض کو معقول مان کر ان کے حسبِ منشا قانونِ شریعت کی 'خامیوں' کو دور کر دیا جائے اور اس کی مناسب 'اصلاح' کر دی جائے۔ ان کے نزدیک جو شخص عورت کو طلاق دے اسے یہ سزا ضرور ملنی چاہیے کہ وہ اس کی زندگی بھر اس کا نان و نفقہ برابر دیتا رہے۔ ہاں اگر اس کی دوسری شادی ہو جائے یا وہ خود کفیل ہو جائے تو مرد کو اس کی معاشی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا جائے۔

سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ نے اسلام کے نظامِ طلاق پر ہونے والے اس اعتراض کو ایک طرح سے صحیح قرار دے دیا ہے اور اس تجویز کو قانونی سند عطا کر دی ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس مسئلہ کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

ا۔ اگر کوئی شخص یہ مطالبہ شروع کر دے کہ اس کا معاشی بوجھ ایک بالکل اجنبی شخص پر ڈال دیا جائے تو دنیا اسے مذاق یا عقل کا فتور سمجھے گی۔ اس لیے کہ کسی فرد پر دوسرے فرد کی کوئی ذمہ داری ڈالنے کے لیے کوئی معقول بنیاد ہونی چاہیے۔ دو اجنبی اشخاص کے درمیان اس طرح کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اسلام کے نزدیک جن بنیادوں پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے ایک بنیاد نکاح ہے۔ نکاح کے بعد عورت ازدواجی زندگی کے وسیع تقاضوں کی تکمیل اور خاندان کی تعمیر کے لیے مرد کو اپنا وقت دیتی ہے اور مرد اس کے عوض اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ جب تک دونوں عقدِ نکاح میں بندھے ہوئے ہیں یہ ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ طلاق سے میاں بیوی کا یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف عورت ازدواجی زندگی کے تقاضوں سے آزاد ہو جاتی ہے اور دوسری طرف مرد اس کی معاشی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جاتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک طرح کی دوری اور اجنبیت حائل ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق مغلظہ ہے تو یہ اجنبیت اتنی سخت ہوتی

ہے کہ عورت جتنی آسانی سے دوسرے مرد سے اور مرد دوسری عورت سے شادی کر سکتا ہے، اتنی آسانی سے یہ دونوں دوبارہ اپنے ازدواجی تعلقات بحال نہیں کر سکتے۔ وہ ان تعلقات کو بحال کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ عورت کی کسی دوسرے شخص سے شادی ہو اور وہ طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہو جائے۔ اس کے بغیر وہ چاہیں بھی تو اپنی سابقہ زندگی کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ طلاق کے ذریعہ جہاں اتنی زبردست دوری پیدا ہو جائے اور اجنبیوں سے بھی زیادہ اجنبیت حائل ہو جائے وہاں ان میں سے کس پر کس کے حقوق عائد کئے جائیں اور کون کس کی ذمہ داری اٹھائے؟

۲۔ میاں بیوی کے درمیان طلاق کی نوبت بالعموم اس وقت آتی ہے جب کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق نہیں پہچانتے۔ اس کی وجہ سے خانگی زندگی میں تعاون اور اشتراک باقی نہیں رہتا اور عدم تعاون اور مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن طلاق کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے جیسے لازماً یہ مرد کی ایک زیادتی ہے۔ اور عورت کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ حالانکہ اس امکان کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عورت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہوں کہ مرد کو مجبوراً طلاق دینی پڑی ہو۔ اس کے باوجود مرد پر مطلقہ کا تاحیات نفقہ لازم قرار دینا اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے جس کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں ہے۔

۳۔ طلاق کے بعد جس طرح عورت مرد کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ نہیں ہوتی اسی طرح مرد بھی فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ عورت کی ساری ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جائے۔ اگر طلاق کے بعد عورت کی معاشی ذمہ داری اس پر برقرار رہے تو بعض اوقات طلاق نہ دینا اس کے لئے طلاق دینے سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ طلاق دے کر بھی بیوی کی زندگی بھر اس کی معاشی ذمہ داری اٹھانے کی جگہ وہ اس بات کو ترجیح دے سکتا ہے کہ طلاق نہ دے کر اسے معلقہ بنائے رکھے اور عملاً تمام حقوق سے محروم کر دے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ معلقہ عدالت سے حقوق حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن ایک تو عدالت سے کسی حق کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مرد اس سے بچنا چاہے تو ہزار تدبیریں کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ مطلقہ کے نفقہ کو لازم کر کے طلاق کو اس قدر دشوار کر دیا جائے کہ آدمی طلاق کے بعد نفقہ کے ڈر سے طلاق ہی نہ دے اور بیوی کو لٹکائے رکھے۔ ایک غلطی کو باقی رکھنے کے لیے دوسری غلطی کا ارتکاب کرنا کوئی معقول بات تو نہیں ہے۔

۴۔ طلاق کے بعد عورت اور مرد دونوں کو یہ آزادی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے فرد کو اپنا رفیق حیات بنا لیں اور طلاق کی وجہ سے زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے پر کر لیں لیکن

طلاق دینے کے بعد بھی آدمی کو بیوی کا معاشی بوجھ اٹھانا پڑے تو وہ دوسرے نکاح کی مشکل ہی سے ہمت کر سکتا ہے۔ سابقہ بیوی اور موجودہ بیوی دونوں کے اخراجات اٹھانے کے مقابلہ میں وہ شاید تجرد کی زندگی کو ترجیح دے گا۔ اس سے اس کی سیرت واخلاق کے خراب ہونے اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہونے کا خطرہ ہے۔

۵۔ اس میں عورت کے بگاڑ کا بھی اندیشہ ہے۔ اگر عورت کو یہ یقین ہو کہ طلاق کے بعد بھی اس کا نفقہ اسے برابر ملتا رہے گا تو اس کے اندر مرد کو بات بات پر تنگ کرنے اور ذرا ذرا سی شکایت پر طلاق حاصل کرنے کا رجحان ابھر سکتا ہے۔ چنانچہ مغرب میں طلاق کا اوسط جن اسباب کی بنا پر بہت بڑھ گیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ طلاق کے بعد بھی MAINTENANCE کے نام پر زندگی بھر شوہر سے اپنا خرچ وصول کرتی رہے گی۔ اسلام طلاق کے رجحان کو غلط سمجھتا ہے۔ وہ ایسے کسی قاعدہ ضابطہ کی تائید ہرگز نہیں کر سکتا جس سے اس رجحان کو تقویت ملے اور ازدواجی زندگی کی ہر ناگواری کو طلاق کے ذریعہ دور کیا جانے لگے۔

یہ بعض وہ معاشرتی اور سماجی پیچیدگیاں ہیں جو مطلقہ کا نفقہ واجب قرار دینے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان پیچیدگیوں کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے۔

بعض لوگ چاہتے ہیں کہ طلاق کے بعد عورت کے تاحیات نفقہ کو کسی نہ کسی طرح قرآن سے ثابت کر دکھائیں۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید ان کی اس خواہش کو پوری کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے۔ طلاق کی صورت میں عورت کے مہر، نفقہ اور عدت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں ان کے احکام موجود ہیں، لیکن ان میں مطلقہ کے تاحیات نفقہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ وضاحت کے لیے یہاں ان احکام کی تھوڑی سی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

طلاق یا تو خلوت صحیحہ کے بعد ہوگی یا خلوت صحیحہ سے پہلے۔ دونوں صورتوں میں یا تو مہر متعین ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اس طرح طلاق چار مختلف حالتوں میں ہو سکتی ہے[1]۔ ان سب کے احکام بھی الگ ہیں۔

۱۔ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی جائے اور مہر متعین ہو تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ ارشاد ہے:۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء: ۴) — عورتوں کو ان کے مہر عطیہ کے طور پر دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ کتاب کا صحیح

---

[1] ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار ۲/۴۶۳

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا (البقرہ:۲۲۹) — تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو (مہر) تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔

۲۔ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی جائے اور مہر متعین نہ ہو تو مہر بہر حال دینا ہوگا اس لئے کہ عورت سے استمتاع کے بعد مہر لازم ہو جاتا ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ۭ (النساء:۲۴) — پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا ان کے مہر انھیں دو، جو تم پر فرض ہیں۔

مہر کی مقدار متعین نہ ہو تو میاں بیوی باہم رضامندی سے اس کی مقدار متعین کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں اختلاف ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یعنی اس عورت کے خاندان کی دوسری عورتوں کا جو مہر ہوگا وہی اس کا مہر ہوگا۔[2]

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شبہ میں کسی عورت سے ہم بستری ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر جس عورت سے باقاعدہ نکاح ہو بدرجہ اولیٰ اس کا مہر مثل واجب ہونا چاہیے۔[3]

۳۔ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی لیکن مہر متعین ہو چکا تھا تو اس صورت میں نصف مہر دیا جائے گا۔ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۷)

اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی اور تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا تھا اس کا آدھا ہوگا۔ ہاں اگر وہ درگذر کریں (اور اس سے کم لیں) یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (یعنی شوہر) درگذر کرے (اور زیادہ دے تو ایسا کر سکتا ہے) اگر تم عفو و درگذر سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب بات ہوگی۔ آپس میں احسان کرنا نہ بھولو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

۴۔ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی لیکن مہر متعین نہیں ہوا تھا تو اسے 'متاع' دیا جائے گا۔ قرآن نے اس کے مہر کا ذکر نہیں کیا ہے۔

---

[2] حوالہ سابق ۴/۲۶۰ [3] تفسیر کبیر ۲/۲۸۲

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نے عورتوں کو
مَالَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ	اس وقت طلاق دی جبکہ ابھی تم نے نہ تو ان
فَرِيضَةً وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ	کو ہاتھ لگایا اور نہ ان کا مہر مقرر کیا۔ اس صورت
قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا	میں ان کو کچھ متاع دو۔ صاحب حیثیت اپنی حیثیت
بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ۔	کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق،
(البقرہ: ۲۳۶)	متاع معروف کے مطابق ہو۔ احسان کرنے والوں
	پر یہ لازم ہے۔

ان چار صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ خلوتِ صحیحہ سے پہلے مرد کا انتقال ہو گیا اور مہر بھی متعین نہیں تھا تو امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ متعہ دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بیوی سے شوہر جو جنسی تعلق قائم کرتا ہے مہر اس کا عوض ہے۔ جب یہ تعلق ہی قائم نہیں ہوا تو مہر کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ اسے شوہر کے مال میں میراث ملے گی۔ امام شافعی کی بھی معروف رائے یہی ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ اور امام احمد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کو مہر مثل ملے گا اور میراث بھی ملے گی۔ اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی مسئلہ میں سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا۔ اس نے بیوی کا نہ تو مہر مقرر کیا تھا اور نہ اس کے ساتھ اس کی خلوت ہوئی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کا مہر وہ ہو گا جو اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کا مہر ہے۔ نہ کم نہ زیادہ۔ اسے عدت بھی پوری کرنی ہو گی۔ اسے میراث بھی ملے گی۔ معقل بن سنان اشجعیؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فتویٰ کی تائید میں فرمایا کہ ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کا یہی معاملہ تھا اور رسول اللہؐ نے بالکل یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت خوش ہوئے۔[1]

اس حدیث پر جرح بھی کی گئی ہے لیکن یہ جرح صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی کے شاگرد امام مزنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی کی رائے قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

اگر خلوت سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے اور مہر متعین نہ ہو تو اس کا بھی فقہ حنفی کی رو سے یہی حکم ہے[3]

---

[1] ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل تیزوج المرأۃ الخ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب من تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات [2] بدایۃ المجتہد ۲/۲۹ [3] ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/۲۶۰

اب عدت اور نفقہ کے مسئلہ کو لیجئے۔ اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ	وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی تین حیض تک
ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸)	اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی۔

جس عورت کو صغرسنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آئے اس کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے (الطلاق :۴)

اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہوئی ہے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ	اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ	سے نکاح کرو اور ہاتھ لگانے سے پہلے انھیں
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ	طلاق دے دو تو تمہیں انھیں عدت میں بٹھانے
مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ	کا حق نہیں ہے کہ اس کی گنتی پوری کراؤ۔ انھیں متاع
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (الاحزاب ۴۹)	دو اور اچھی طرح رخصت کر دو۔

اب نفقہ اور سکنیٰ (مکان) کے مسئلہ کو لیجئے۔

طلاق دو طرح کی ہوتی ہے۔ رجعی جس میں شوہر کو رجوع کا حق ہوتا ہے۔ بائن جس میں رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے مختصر احکام یہ ہیں۔

۱۔ طلاق رجعی ہو تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کو نفقہ اور سکنیٰ (مکان) دونوں ملیں گے۔

۲۔ فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے۔ چاہے طلاق رجعی ہو یا بائن۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا	اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ
عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ۶)	کرو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔

۳۔ اگر عورت حاملہ نہیں ہے اور طلاق بائنہ ہے تو امام احمدؒ، داؤد ظاہری اور ابوثور وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ شوہر پر نہ تو اس کا نفقہ واجب ہے اور نہ سکنیٰ۔ ان حضرات کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق بائن دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس لک علیہ نفقۃ[1] (تمہارے شوہر پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں لا نفقۃ لک ولا سکنیٰ[2] (تمہیں نہ نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ)

---

[1] مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لہا [2] حوالہ سابق

امام مالک اور امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس کے سکنیٰ کا ذکر کیا ہے (الطلاق:۶) لہٰذا اسے سکنیٰ تو ملے گا نفقہ نہیں ملے گا۔

ابن رشد، مسلک کے لحاظ سے مالکی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اسے ایک کمزور رائے قرار دیتے ہیں[1]۔ اس معاملہ میں احناف کا مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ احناف اور بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ طلاق چاہے رجعی ہو یا بائن عورت کو نفقہ اور سکنیٰ دونوں ملیں گے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے مطلقہ کے لئے سکنیٰ کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نفقہ اسی کے تابع ہے۔ قرآن نے اس بات کا پابند بنایا ہے کہ آدمی طلاق کے بعد عدت تک عورت کو گھر میں رکھے اس کا خرچ بھی فطری طور پر اسی کو اٹھانا چاہیئے۔ اسی بنیاد پر بیوی کا نفقہ بھی آدمی پر لازم آتا ہے۔ آیت کے الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ	ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے
مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ	کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو۔ اور ان کو تنگ
لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ ط (الطلاق:۶)	کرنے کے لیے تکلیف نہ پہونچاؤ۔

جصاص کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ یہ مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ دونوں کے متعلق ہیں مِنْ وُجْدِکُمْ (اپنی وسعت اور طاقت کے لحاظ سے[2]) کے الفاظ بتاتے ہیں کہ شوہر کے مال میں مطلقہ کا سکنیٰ واجب کیا گیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ مال میں نفقہ بھی واجب ہو اس لئے کہ سکنیٰ نفقہ کا ایک حصہ ہے۔ دوسرے یہ ہدایت کہ ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہونچاؤ۔ تنگ کرنا اور تکلیف پہونچانا یہ دونوں باتیں جس طرح سکنیٰ سے متعلق ہیں نفقہ سے بھی متعلق ہیں[3]۔

فاطمہ بنت قیس کی روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اسے حضرت عمرؓ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا۔

لا نترک کتاب اللہ وسنۃ	ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ
نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لقول	وسلم کی سنت کو ایک عورت کے بیان کی وجہ
امرأۃ لا ندری لعلہا حفظت	سے چھوڑ نہیں سکتے۔ معلوم نہیں اسے (ٹھیک سے) یاد بھی
او نسیت لہا السکنی والنفقۃ[4]	رکھا یا بھول گئی مطلقہ کے لیے سکنیٰ (مکان) بھی اور نفقہ بھی۔

---

[1] بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۳　[2] زمخشری: الوجد الوسع والطاقۃ۔ الکشاف ۲/۴۹۷　[3] جصاص: احکام القرآن ۳/۵۶۵　[4] مسلم کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لہا

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک کتاب و سنت سے مطلقہ کا نفقہ اور سکنیٰ دونوں ثابت ہے[۱]۔

اس لئے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ مطلقہ کا اس کی عدت تک نفقہ اور سکنیٰ شوہر پر واجب ہے۔ عدت کے بعد نفقہ یا سکنیٰ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ قرآن مجید سے مطلقہ کے نفقہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ سے استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ	جن عورتوں کو طلاق دی گئی انھیں دستور کے مطابق متاع دینا ہے یہ حق ہے متقیوں پر

اس آیت سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں مطلقات کے لئے مہر کے علاوہ متاع دینے کا حکم دیا گیا ہے اور متاع کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ اسے حسب حالات متعین کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسے تاحیات نفقہ کی شکل میں متعین کیا جائے تو یہ قرآن کے منشا کے مطابق ہوگا اس کے خلاف نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مطلقہ کے لئے جس متاع یا متعہ کا ذکر کیا گیا ہے اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے حسب ذیل سوالات پر غور کرنا ہوگا۔

۱۔ اس کی حیثیت اخلاقی ہے یا قانونی؟

۲۔ قانونی ہے تو کیا یہ ہر قسم کی مطلقہ کے لئے ہے یا بعض مطلقات کے لئے ؟

اس مسئلہ میں امام مالک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے اسے متعہ دینا مندوب (پسندیدہ) ہے۔ فرض نہیں ہے۔ ان کی دلیل 'حقاً علی المتقین' کے الفاظ ہیں جو آیت کے آخر میں آئے ہیں۔ اس سے پہلے آیت نمبر ۲۳۶ میں متعہ کو 'حقا علی المحسنین' (نکوکاروں پر حق ہے) کہا گیا ہے۔ جو چیز تقویٰ اور احسان کی علامت ہے اسے ہم سب پر فرض قرار نہیں دے سکتے[۲]۔

تابعین میں قاضی شریح کی یہی رائے تھی۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی تھی طلاق دی۔ قاضی شریح کی عدالت میں عورت نے متعہ کا دعویٰ کیا تو انھوں نے اس کے شوہر سے کہا کہ محسنین کے زمرے میں شامل ہونے سے اور متقیوں کے زمرہ میں شامل ہونے سے انکار نہ کرو۔ اسے متعہ دینے پر مجبور نہیں کیا[۳]۔

---

[۱] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۲، ۱۰۳۔ جصاص: احکام القرآن ۳/۵۶۴ - ۵۷۰ ابن قدامہ: المغنی ۷/۶۰۶، ۶۱۰ [۲] احمد الدردیر: الشرح الصغیر ۲/۶۱۷ - ۶۱۸ [۳] بغوی: معالم التنزیل علی ہامش الخازن ۱/۲۰۴

امام مالک کے نزدیک خلوت سے پہلے جس عورت کی طلاق ہو جائے اور اس کا مہر متعین ہو اسے نصف مہر ملے گا اسے متعہ نہیں ہے۔

امام مالک کی ایک رائے یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ متعہ واجب ہے لیکن معروف رائے وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے[1]

فقہاء کی اکثریت نے مطلقہ کے لئے متاع کو واجب قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے بصیغۂ امر اس کا حکم دیا ہے مَتِّعُوهُنَّ (البقرہ ۲۳۶، الاحزاب: ۴۹) انھیں متاع دو۔ جب تک کوئی مضبوط قرینہ نہ ہو صیغۂ امر سے وجوب ہی سمجھا جائے گا۔

قرآن نے فرمایا ' وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ ' (مطلقات کے لئے متاع ہے) اس سے بھی وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ (مطلقات کے لئے) یہ لفظ بتاتا ہے کہ متاع ان کی ملکیت ہوگی اور وہ اس کا مطالبہ کرسکیں گی۔

حَقًّا علی المتقین (متقیوں پر حق ہے) کے الفاظ بھی وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ متعہ متقیوں پر فرض ہے اسی کی تاکید کے طور پر فرمایا حقا علی المحسنین (محسنوں پر حق ہے)

کیا اس کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ یہ صرف متقیوں یا محسنوں پر فرض ہے۔ دوسروں پر فرض نہیں ہے۔ اس کے جواب میں علامہ ابوبکر جصاص نے قرآن مجید کے نظائر سے ثابت کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو متقی اور محسن نہیں ہیں ان پر یہ فرض نہیں ہے بلکہ اس انداز سے اس حکم میں زیادہ زور پیدا ہوجاتا ہے کہ آدمی اس پر عمل کر کے نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل ہوجائے[2]

اب سوال یہ ہے کہ متعہ واجب ہے تو کیا ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے یا ان میں سے بعض کو متعہ دینا واجب ہے اور بعض کو واجب نہیں ہے؟

اس میں فقہ حنفی کی رائے یہ ہے کہ متعہ اس مطلقہ کا واجب ہے جس کا مہر متعین نہ ہو اور جسے خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ اس لئے کہ اسی کو قرآن نے متعہ دینے کا حکم دیا ہے (بقرہ: ۲۳۶) دوسری مطلقات کو مہر اور نفقہ ملتا ہے اس لئے ان کو متعہ دینا واجب نہیں ہے۔ البتہ مندوب ہے[3]

امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے[4]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ متاع سب ہی مطلقات کو دینا واجب ہے سوائے اس مطلقہ کے جس کا

---

[1] الشرح الصغیر ۲/۶۱۷ [2] پوری بحث کے لئے دیکھئے جصاص: احکام القرآن ۱/۵۰۸ - ۵۰۹
[3] رد المحتار علی الدر المختار ۲/ [4] تعصیل کے لئے دیکھی جائے ابن قدامہ: المغنی: ۶/۱۵۷

مہر متعین ہو اور جسے خلوت سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ اسے نصف مہر ملے گا۔[51] (البقرہ: ۲۳۷) صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی رائے بیان کی جاتی ہے۔[52]

حضرت سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے۔ اس لئے کہ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ (مطلقات کو معروف کے مطابق متاع دینا ہے) ایک عام حکم ہے۔ اسے کسی خاص قسم کی مطلقہ کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ صرف ان مطلقات کو متعہ ملے گا جن کا مہر متعین نہ ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر بھی متعین تھا اور ان سے خلوت بھی ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود طلاق کی صورت میں انھیں متاع دینے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ	اے نبی تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ	کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ
زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ	میں تمہیں متاع دوں اور اچھی طرح سے رخصت
سَرَاحًا جَمِيْلًا (الاحزاب: ۲۸)	کردوں[53]

یہ رائے حضرت علیؓ، امام زہری، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح اور سفیان ثوری سے بھی نقل کی جاتی ہے۔[54] اہلِ ظاہر کی بھی رائے یہی ہے۔ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں۔ ہر طرح کی مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، چاہے طلاق رجعی ہو یا بائنہ، خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی، مہر متعین ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اس لئے کہ وللمطلقاتِ متاع بالمعروف، ایک عام حکم ہے۔ اسے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔[55]

یہ سب رائیں ایک سی ہیں۔ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے۔ جو لوگ مطلقہ کے لیے متعہ کو لازم قرار دینا چاہتے ہیں ممکن ہے وہ اس رائے کو دوسری رایوں کے مقابلہ میں ترجیح دیں لیکن اس میں دو ایک خرابیاں بہت واضح ہیں۔ ایک یہ کہ جس عورت کو خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی جائے اگر اس کا مہر متعین ہو تو اسے نصف مہر اور متعہ دونوں ملیں گے اور اگر مہر متعین نہ ہو تو اسے صرف متعہ ملے گا۔ یہ ایک طرح کی ناانصافی معلوم ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ متعہ کو ہر مطلقہ کے لئے واجب قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی مہر اور نفقہ کی طرح اس کا ایک لازمی حق ہے اور از روئے قانون وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اس میں شک نہیں کہ اہل ظاہر اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے۔ متعہ کی نوعیت یہی ہے۔ مشہور مفسر ابن جریر طبری اسی کے قائل

[51] بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۵-۱۰۶ [52] بغوی: معالم التنزیل علی ہامش الخازن ۱/۲۰۴ [53] ابن کثیر: تفسیر ۱/۲۸۸
[54] ابن حزم: المحلی: ۱۰/۲۴۷ [55] حوالہ سابق ص ۲۴۵

ہیں۔ ان کے نزدیک ہر مطلقہ کے لئے مہر ہی کی طرح متعہ بھی واجب ہے۔ شوہر کے لئے اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے تو مہر اور دوسرے قرضوں کی طرح متعہ کے لئے بھی اس کی قانونی گرفت کی جائے گی[۱] لیکن اس لحاظ سے یہ رائے کمزور معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی عدالتوں نے کبھی اس طرح کا فیصلہ نہیں کیا، امام شعبی کہتے ہیں۔

واللّٰہ ما رأیت احدا حبس فیھا	قسم خدا کی میں نے نہیں دیکھا کسی کو متعہ کے نہ
(فی المتعہ) واللّٰہ لوکانت واجبۃ	دینے پر قید کیا گیا ہو۔ خدا کی قسم اگر یہ واجب ہوتا تو
لحبس فیھا القضاۃ[۲]	اس کے نہ دینے پر قاضی حضرات قید کی سزا ضرور دیتے۔

ان سب باتوں سے ہٹ کر بھی اس آیت سے مطلقہ کے لئے تاحیات نفقہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس راہ میں خود 'متاع' کا لفظ بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کی تائید نہ تو قرآن مجید کے سیاق اور لغت کے استعمال سے ہوتی ہے اور نہ صحابہ و تابعین اور فقہا نے اس کے یہ معنیٰ لئے ہیں۔

قرآن مجید نے اس بحث میں متاع کا ذکر جس سیاق میں کیا ہے اس سے اس کا مفہوم خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ خلوت سے پہلے جس عورت کو طلاق دی جائے اگر اس کا مہر متعین ہے تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی اور مہر متعین نہیں ہے تو اسے متاع دیا جائے گا۔ اگر مہر کا تصور زندگی بھر کے نفقہ کا نہیں ہے تو متاع کے اندر یہ مفہوم کہاں سے آ جائے گا کہ مطلقہ کو تاحیات نفقہ فراہم کیا جائے۔

'متاع' لغت میں تھوڑے سے ساز و سامان کو اور اس چیز کو جس سے وقتی طور پر فائدہ اٹھایا جائے کہا جاتا ہے[۳]

امام رازی فرماتے ہیں:۔

اصل المتعۃ والمتاع ماینتفع	متعہ اور متاع اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس
بہ انتفاعا غیر باق بل منقضیا	سے ایسا فائدہ اٹھایا جائے جو باقی رہنے والا نہیں
عن قریب[۴]	ہے بلکہ جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔

اب آئیے اس معاملہ میں صحابہ و تابعین کی رائے اور ان کا طرز عمل دیکھا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مطلقہ کے متاع کا سب سے اعلیٰ معیار یہ ہے کہ اسے خادم دیا جائے۔ اس سے کم تر یہ ہے کہ (ایک جوڑا لباس جس میں) تین کپڑے ہوں) دئے جائیں۔ آخری چیز یہ ہے کہ تھوڑی سی چاندی (رقم) دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کی مقدار کم سے کم تیس درہم ہونی چاہیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی بیوی تماضر کو طلاق دی تو اسے متاع میں ایک سیاہ فام لونڈی دی۔ حضرت حسنؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی تو اسے متاع کے طور پر دس ہزار درہم دئے۔ تابعین میں قاضی شریح نے متاع کو پانچ ہزار درہم بتایا ہے۔ امام شعبی اسے گھر کے اندر کا پورا لباس لحاف اور

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن جریر طبری۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن ۲/۳۰۸ - ۳۰۹ [۲] ابن کثیر: تفسیر: ۱/۲۹۷
[۳] ملاحظہ ہو لسان العرب مادہ 'متع' [۴] رازی: تفسیر کبیر ۲/۲۸۴

جلباب (چادر) کہا ہے۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ متعہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق دے گا۔ عطاء بن ابی رباح نے بھی یہی بات کہی ہے[1]۔

فقہاء نے اپنے حالات کے لحاظ سے اس کے تعیین کی کوشش کی ہے۔

فقہ حنفی میں ہے کہ مطلقہ کا متاع یہ ہے کہ اسے ایک جوڑا لباس دیا جائے۔ اس میں کتنے کپڑے ہوں اس کا تعلق معاشرہ کے دستور اور رواج سے ہے۔ کپڑے کا معیار، ایک رائے یہ ہے کہ شوہر کی حیثیت کے مطابق ہوگا دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں شوہر اور بیوی دونوں کی حیثیت دیکھی جائے گی۔ اس کے ساتھ فقہاء احناف کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ متاع مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ اسی کی جگہ رکھا گیا ہے اور پانچ درہم سے کم بھی نہیں ہونا چاہیئے[2] (اس لئے کہ فقہ حنفی کی رو سے مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہونا چاہئے۔ اگر اسے مہر مثل کا نصف مان لیا جائے تو یہ ایک جوڑے سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے)

فقہ مالکی میں کہا گیا ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد آدمی اپنی حیثیت کے مطابق مہر کے علاوہ جو بھی دے وہ متعہ ہے[3]

امام شافعی نے متعہ کی تعیین اس طرح کی ہے۔ صاحب حیثیت کے لیے ایک خادم، اوسط درجہ کے آدمی کے لئے ایک جوڑا کپڑے، اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ تیس درہم یا اس کی قیمت کی کوئی چیز دی جائے۔ اس کے ساتھ میاں بیوی کو اس کا حق ہے کہ وہ اس سے کم یا زیادہ پر اتفاق کرلیں[4]۔

تقریباً یہی بات فقہ حنبلی میں کہی گئی ہے کہ متعہ مرد کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اس کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک جوڑا دیا جائے جس میں اتنے کپڑے ہوں کہ وہ نماز کے لئے کافی ہو سکیں شوہر اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے اور عورت اس سے کم بھی لے سکتی ہے[5]۔

فقہاء نے اپنے دور کو سامنے رکھ کر متعہ کے تعیین کی کوشش کی ہے۔ اس میں کمی بیشی ہر دور کے حالات کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ قرآن و حدیث میں جس طرح مہر اور نفقہ کی کوئی حد بندی نہیں ہوئی ہے اسی طرح متعہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اسے ہر دور کے حالات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس معاملہ میں صحابہ و تابعین کے درمیان جو اختلاف رہا ہے اس کے بارے میں جصاص کہتے ہیں۔

هٰذه المقادير كلها صدرت عن اجتهاد	متعہ کی جو مقداریں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب
آرائهم ولم ينكر بعضهم على بعض	سلف کی اجتہادی رائیں ہیں۔ ان میں سے جس نے
ماصار اليه من مخالفته فيه فدل	جو رائے اختیار کی اس پر دوسرے نے مخالف رائے کے
على انها عندهم موضوعة على	اختیار کرنے کی وجہ سے نکیر نہیں کی۔ اس سے معلوم

---

[1] ان اقوال کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن جریر: ۲/۳۰۴-۳۰۵- ابن کثیر: ۱/۲۸۸- المحلیٰ: ۱۰/۲۴۶

[2] رد المحتار علی الدر المختار ۲/۶۶۲ [3] الشرح الصغیر ۲/۶۱۶ [4] بغوی: معالم التنزیل ۱/۲۰۴ خطیب شربینی: السراج المنیر: ۱/۱۵۳ [5] ابن قدامہ: المغنی ۶/۷۱۶

ما یؤدیہ الیہ اجتہادہ [۱] ہوا کہ یہ ساری رائیں ان کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک متعہ کے تعین میں عورت کی سماجی و معاشی حیثیت کا اعتبار نہیں ہوگا صرف مرد کی حیثیت دیکھی جائے گی۔ اس لئے کہ قرآن نے کہا ہے کہ "صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے لحاظ سے اور تنگدست اپنی حیثیت کے لحاظ متاع دے" (البقرہ: ۲۳۶)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عورت اور مرد دونوں کی حیثیت پیش نظر رکھی جائے گی۔ جصاصؒ کہتے ہیں اسی کے ساتھ متعہ کی تعیین میں معروف کی پابندی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات معروف کے خلاف ہے کہ اس میں عورت کی حیثیت کی رعایت نہ کی جائے اور ایک خوش حال گھرانے کی عورت کو وہی متعہ دیا جائے جو ایک غریب خاندان کی عورت کو دیا جاتا ہے[۲]

اس پوری بحث سے اتنی بات واضح ہے کہ 'متاع' دراصل اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو طلاق کے وقت حسب حیثیت عورت کی دل جوئی کے لئے دیا جاتا ہے۔ نہ تو قرآن و حدیث سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ طلاق کے بعد بھی آدمی پر عورت کی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ سلف سے خلف تک کسی نے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا بے بنیاد فکر ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی۔

آخر میں اس سوال کو لیجئے کہ طلاق کے بعد عورت کہاں جائے گی؟ اس کا معاشی بوجھ کون اٹھائے گا؟ یہی سوال ہے جسے حل کرنے کے لئے طرح طرح کی تجویزیں پیش کی جاتی ہیں اور قرآن مجید سے نئے نئے نکتے نکالے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اصولی بات یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلامی قانون کی رو سے عورت کبھی اس بات پر مجبور نہیں ہوتی کہ وہ اپنی معاش کے لئے دوڑ دھوپ کرے[۳]۔ فقہ میں کہا گیا ہے 'مجرد الانوثۃ عجز'[۴] (محض عورت ہونا ایک عجز ہے) یعنی اس کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ اپنا معاشی بوجھ اٹھا سکے۔ اسی وجہ سے دوسروں کو اس کی یہ ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے۔ شوہر ہر حال میں اس کا نفقہ برداشت کرتا ہے۔ اگر وہ خود کفیل نہیں ہے تو ماں باپ اور اولاد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

طلاق کے بعد عورت تین حالتوں میں سے ایک حالت میں ہوگی۔

۱۔ اس کی دوسری شادی ہو جائے۔ اس صورت میں اس کا نفقہ اس کے دوسرے شوہر پر واجب ہو جائے گا۔

۲۔ اس کی اولاد کسب اور محنت کے قابل ہو، اس صورت میں اگر وہ خود کفیل نہیں ہے تو اولاد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بات کی وضاحت کر دی جائے۔ وہ یہ کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین کے نفقہ میں وہ تمام سہولتیں شامل ہیں جو بیوی کے نفقہ میں آتی ہیں۔

---

[۱] احکام القرآن: ۱/۵۱۵ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احکام القرآن: ۱/۵۱۳-۵۱۵ [۳] اس کی تھوڑی سی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'عورت اور اسلام'، ص ۲۹-۳۰ [۴] رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۹۲۵

ان جمیع ما وجب للمرأة وجب	بیوی کے نفقہ میں جو چیزیں واجب ہیں وہ ساری
للاب والام على الولد	چیزیں ماں باپ کے نفقہ میں بچے پر واجب ہوں
من طعام وشراب وکسوة	گی۔ یعنی کھانا، پینا، لباس، مکان، یہاں
وسکنی حتی الخادم[1]	تک کہ خادم بھی اس میں آتا ہے۔

۳۔ طلاق کے بعد اگر اس کی دوسری شادی[2] نہ ہو اور اس کے بچے بھی اس کا بوجھ نہ اٹھا سکتے ہوں تو اس کے باپ پر اس کا نفقہ بالکل اسی طرح لازم آجائے گا جس طرح شادی سے پہلے اس پر لازم تھا۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے شارح ابن الہمام لکھتے ہیں۔

فالاناث علیہ نفقتھن الی ان	باپ پر لڑکیوں کا نفقہ اگر ان کے پاس
یتزوجن اذا لم یکن لھن	مال نہیں ہے تو ان کی شادی تک واجب
مال ولیس لہ ان یواجرھن	ہے۔ وہ انھیں کسی کام یا خدمت پر نہیں
فی عمل ولاخدمۃ وان کان	لگا سکتا چاہے وہ یہ کر ہی کیوں نہ سکتی
لھن قدرة واذا اطلقت و	ہوں[2] اگر اس کی طلاق ہو جائے تو عدت
انقضت عدتھا عادت نفقتھا	پوری ہونے کے بعد اس کا نفقہ دوبارہ
علی الاب[3]	باپ پر واجب ہو جائے گا۔

باپ نہ ہو تو جو بھی اس کا قریبی محرم ہوگا جیسے چچا، بھائی، وغیرہ وہ اس کی معاش کا ذمہ دار ہوگا۔ ان میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو یا اس کا معاشی بوجھ نہ اٹھا سکے تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے۔ اسلامی ریاست اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔

جو لوگ اس مسئلہ میں اعتراض پر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے قانون نفقات سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں صرف اس کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ اس کی تفصیلات جاننے کی انھیں کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۹۲۳ [2] عورت کیا کام کرسکتی ہے اور کن حدود میں، اس پر ہم نے اپنی کتاب 'عورت اسلامی معاشرہ میں' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ [3] فتح القدیر: ۳/۳۴۴